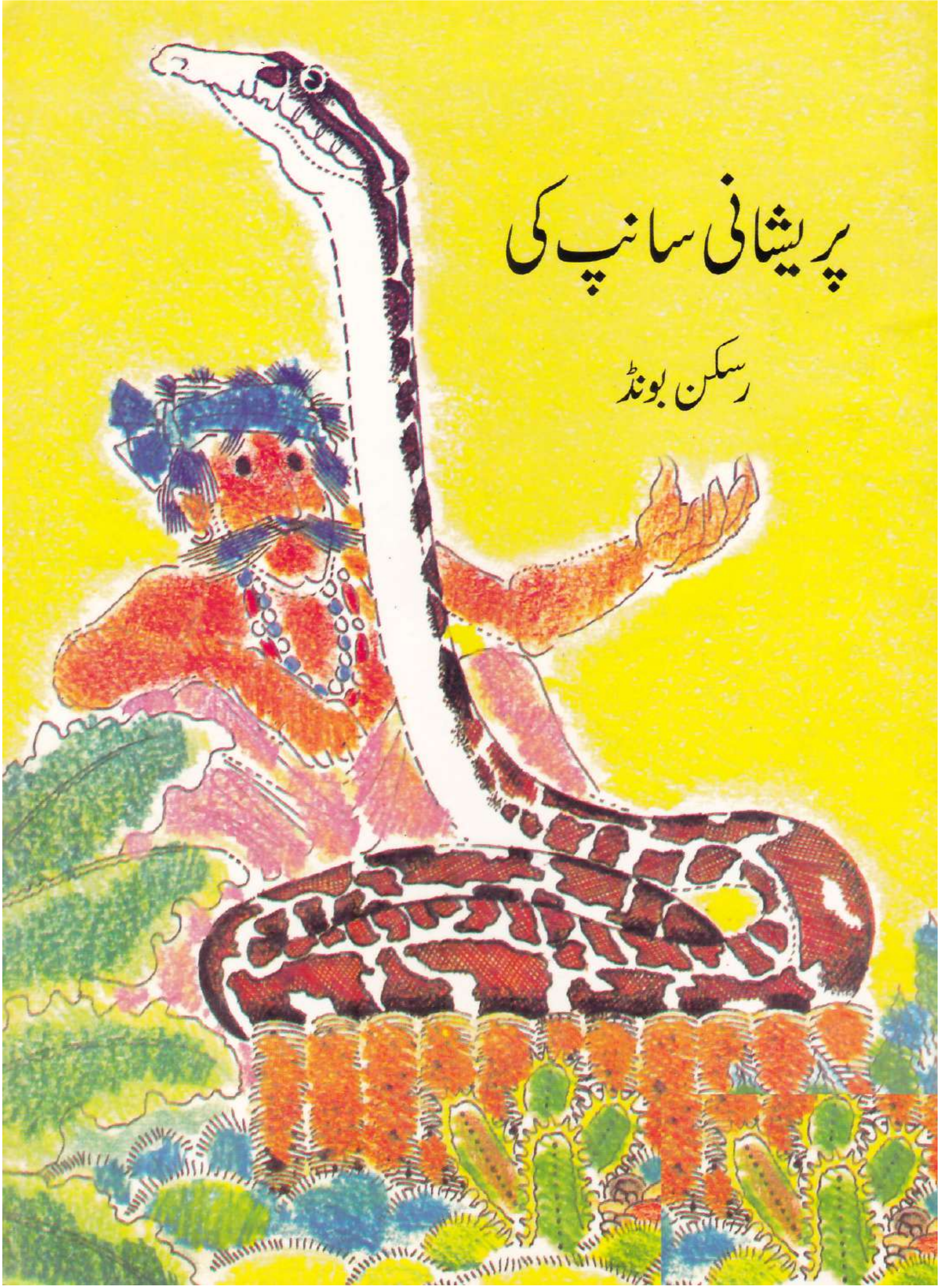
پریشانی سانپ کی

رسکن بونڈ



ISBN 978-81-237-0661-0

پہلا اردو ایڈیشن : 1995 (ساکا 1916)

دوسری طباعت : 2000 (ساکا 1921)

تیسری طباعت :2014 (ساکا 1936)

Snake Trouble *(Urdu)*

قیمت:25.00

ناشر: ڈائریکٹر، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

5، نہرو بھون، انسٹی ٹیوشنل ایریا، فیس-II،

وسنت کنج، نئی دہلی-110070

www.nbtindia.gov.in



نہرو بال پستکالیہ

پریشانی سانپ کی

رسکن بونڈ

مصوّر

بکی پٹیل

مترجم

بشیر احمد



nbt.india

एकः सूते सकलम्

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا



پریشانی سانپ کی

ہمارے دادا ہندستانی محکمۂ ریل کی ملازمت سے وظیفہ یاب ہونے کے بعد دیہرا میں آبسے۔ ہم لوگ اپنے دن زیادہ تر غیر عمومی پالتو جانوروں کی دیکھ بھال میں گزارنے لگے۔ دادا نے ایک دن بازار میں ایک سپیرے کو ۲۰ روپے دے کر ایک اجگر کا بچّہ خریدا۔ بچّوں اور بچّیوں کی ٹولی جو بڑی دلچسپی اور تجسّس سے ہمیں دیکھ رہی تھی اس وقت بہت خوشی ہوئی جب داداجی نے اجگر کے بچّے کو اپنے کندھوں پر رکھ لیا اور گھر کی طرف چل پڑے۔

میں بھی داداجی کے ساتھ تھا اور ان کے ساتھ چلتے ہوئے فخر سے اکڑ رہا تھا۔ داداجی دیہرا میں معروف اور مقبول تھے اور شرفاء میں زیادہ ہر دل عزیز تھے۔ راستے میں ہر ملنے والے نے احترام کے ساتھ سلام کیا اور کسی نے اجگر کے بچّے کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ شاید اس لیے کہ وہ داداجی کے ساتھ اکثر عجیب عجیب جانوروں کو دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔

ہمیں آتے ہوئے سب سے پہلے ہمارے بندر — ٹوٹو — نے دیکھا وہ کٹھل کے پیڑ کی شاخ پر جھول رہا تھا۔ اپنی نسل کے قدیمی دشمن اجگر کو دیکھتے ہی وہ خوف سے چیختا ہوا گھر میں گھس گیا۔ پھر ہمارے توتے پوپٹ نے جو برآمدے میں اونگھ رہا تھا، بڑی بھیانک آواز میں چیخنا اور سیٹیانا شروع کر دیا۔ وہ کسی بھاپ انجن کی طرح سیٹیاں بجا رہا تھا۔ سیٹی بجانے کا یہ طریقہ اس نے بہت پہلے سیکھا تھا جب ہم ریلوے اسٹیشن کے قریب رہتے تھے۔

چیخ پکار سن کر ہماری دادی برآمدے میں آگئیں اور دادجی کی گردن کے گرد کنڈلی

مارے سانپ کو دیکھتے ہی غش کھانے لگیں۔

دادی، داداجی کے زیادہ تر پالتو جانوروں کو برداشت کر لیتی تھیں لیکن انھیں رینگنے والے جانوروں سے وحشت ہوتی تھی یہاں تک کہ شیریں مزاج چھپکلی ان کا دوران خون سرد کر دیتی تھی۔ اس بات کا بس تھوڑا ہی امکان تھا کہ وہ کسی اجگر کو اپنے گھر میں رکھنے کی اجازت دیں گی۔

"یہ تمھیں مار ڈالے گا!" دادی چیخیں۔

"بکواس یہ تو بچارہ ننّھا سا ساتھی ہے۔" داداجی نے جواب دیا۔ "اور یہ جلد ہی ہم سے گھُل مِل جائے گا"، میں نے داداجی کی حمایت کی۔

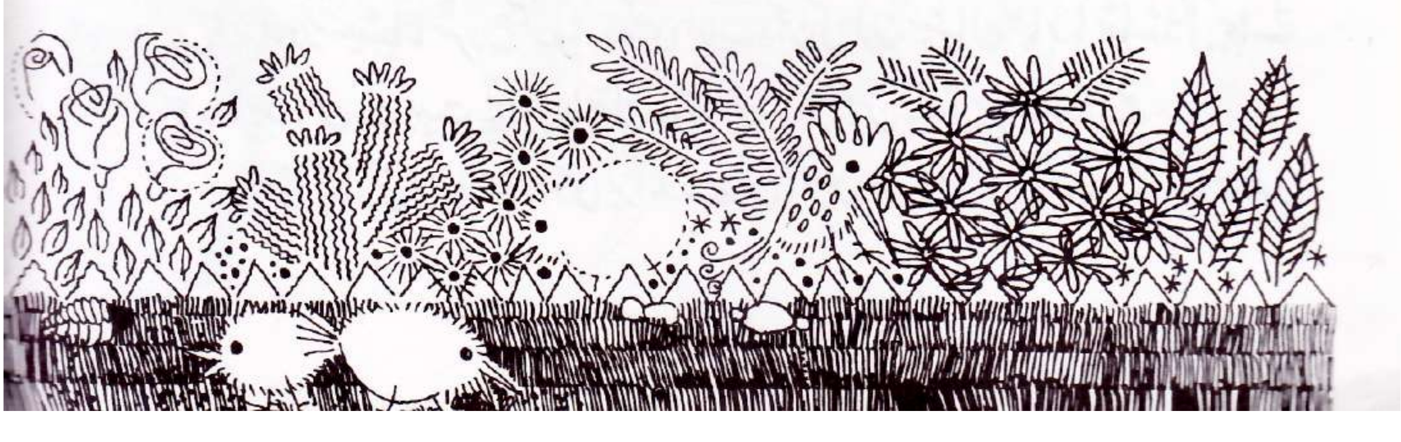
"وہ ضرور گھُل مِل سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ گھُلنے مِلنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور پھر کل تمھاری آنٹی روبی ہمارے گھر ٹھہرنے کے لیے آ رہی ہے مگر جیسے ہی اسے معلوم ہوگا کہ اس گھر میں کوئی سانپ بھی ہے وہ چلی جائے گی۔"

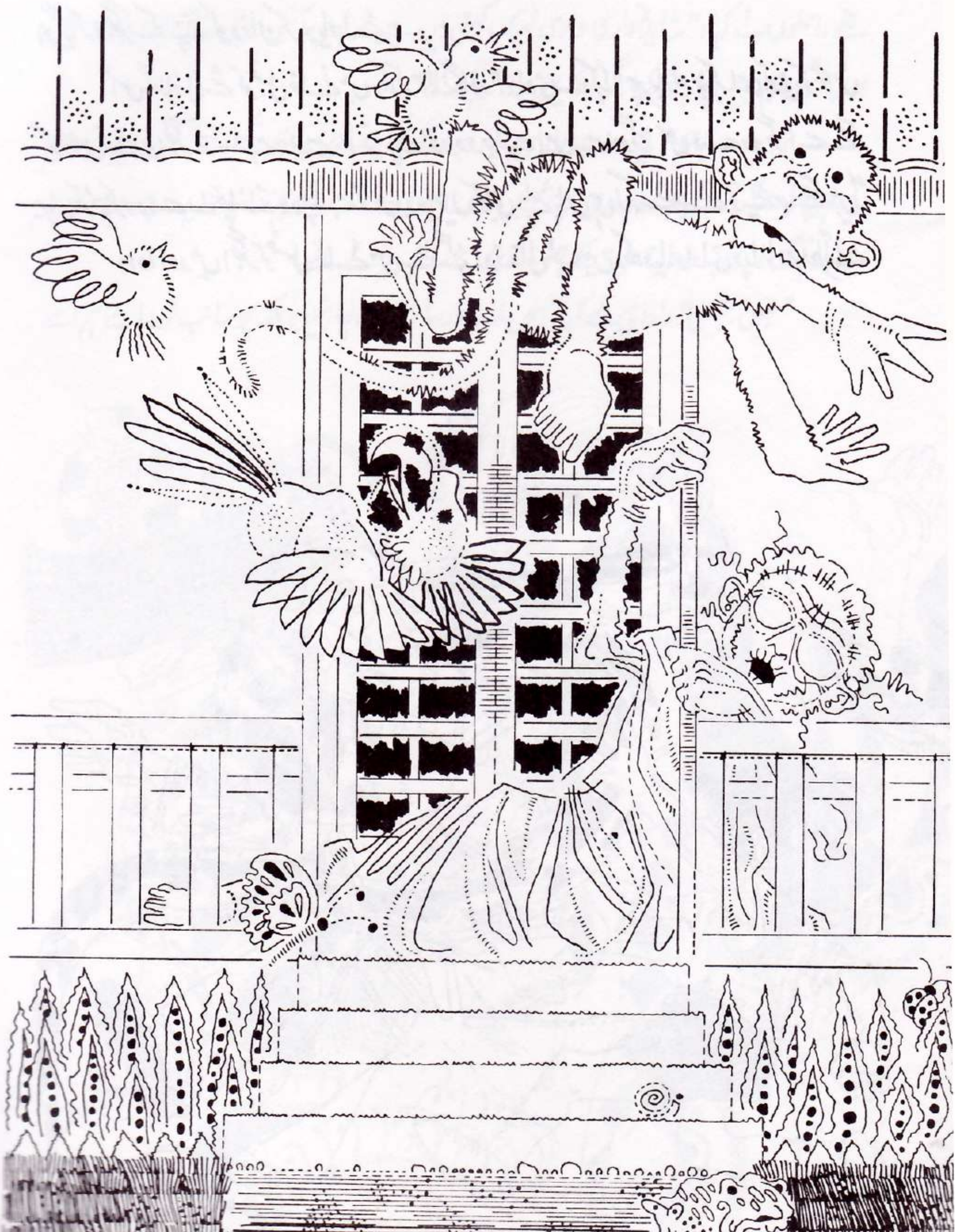
"تب تو انھیں سب سے پہلے اسے ہی دکھانا چاہیئے۔" داداجی نے کہا وہ آنٹی روبی کو تھوڑا تکلیف دہ سمجھتے تھے۔

"اسے فوراً دفع کرو۔" دادی نے کہا۔

"میں اسے باغ میں چھوڑ نہیں سکتا اس لیے کہ ہو سکتا ہے یہ مُرغیوں کے ڈربے میں گھُس جائے تو پھر ہم کہاں ہوں گے!" دادا نے کہا۔

"چند چوزوں کے بغیر۔" میں نے معقولیت سے کہا لیکن اس سے دادی کا یہ ارادہ اور پکّا





ہوگیا کہ اجگر کے بچّے کو دفان کر دیا جائے۔

"اس گھناؤنی شے کو غسل خانے میں رکھ کر تالا لگا دو" دادی نے کہا "پھر بازار جا کر اس آدمی کو تلاش کرو جس سے یہ اجگر خریدا ہے، اسے ۲۰ روپے اور دو چاہے اس سے دوگنا بھی دے دو مگر اسے لے کر یہاں آؤ تاکہ وہ اسے لے جلئے وہ چاہے تو ان روپیوں کو بھی اپنے پاس ہی رکھ لے جو اسے دیئے جا چکے ہیں"۔

دادا اور میں اجگر کو غسل خانے میں لے گئے اور خالی ٹب میں رکھ دیا۔ دادا جی ذرا نادم نظر آ رہے



تھے ،انھوں نے کہا: "شاید تمھاری دادی ٹھیک کہتی ہیں ۔ میں تمھاری آنٹی روبی کے لیے پریشان نہیں ہوں۔ لیکن ہم نہیں چاہتے کہ اجگر ٹوٹو یا پوپٹے کو پکڑ لے۔"

ہم سپیرے کی تلاش میں جلدی جلدی بازار بھاگے لیکن تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ کئی سپیروں کو ہم نے اپنی طرف آتے دیکھا ۔ وہ ہماری تلاش میں تھے ۔ انھوں نے سُنا تھا کہ ہم سانپ خرید رہے ہیں اس لیے وہ لوگ اپنے ساتھ طرح طرح کے چھوٹے بڑے سانپ لائے تھے ۔

"نہیں ،نہیں"۔ داداجی نے کہا: "ہمیں اب اور سانپ نہیں چاہئیں بلکہ جو سانپ خریدا ہے ہم اسے



بھی واپس کرنا چاہتے ہیں"

لیکن جس آدمی نے ہمیں سب سانپ بیچا تھا وہ ظاہر ہے کہ جنگل میں اپنے گھر چلا گیا تھا کہ دادا کے لیے دوسرا اجگر تلاش کر سکے؛ اور دوسرے سپیرے سانپ خریدنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ انھیں تو سانپ بیچنا تھا۔ ان سپیروں سے جان چھڑانے کے لیے ہم لوگ اُلٹے سیدھے راستے سے گھر کی طرف بھاگے۔ ایک جگہ تو دیوار پھاندنا پڑا۔ ایک جگہ پھلوں کے باغ سے ہو کر بھاگنا پڑا۔

گھر پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ دادی جی برآمدے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھیں۔ ہمارے چہرے دیکھتے ہی وہ سمجھ گئیں کہ ہم جس کام سے گئے تھے، اس میں ناکام رہے ہیں۔

"ٹھیک ہے"۔ دادی نے کہا "تم لوگ خود ہی اسے کہیں چھوڑ آؤ، اور دھیان رہے کہ یہ پھر واپس نہ آئے۔"

"دادی جی ہم اسے دفان کر دیں گے آپ فکر مت کیجیے"، میں نے کہا۔

دادا جی نے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہوئے۔ میں ان کے بالکل پیچھے تھا۔ ہمیں کہیں اجگر نظر نہیں آیا۔

"وہ نکل گیا"۔ دادا جی نے کہا۔

"ہم نے کھڑکی کھلی چھوڑ دی تھی"۔ میں نے کہا۔

"ایسا تم لوگوں نے جان بوجھ کر کیا تھا"، دادی نے کہا "لیکن وہ زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا ـــــ تم لوگ اسے آس پاس تلاش کرو"۔

گھر کی اچھی طرح تلاشی لی گئی۔ چھت، باورچی خانہ، باغ اور مرغی کا ڈربہ، ہر جگہ دیکھا گیا مگر اجگر کا سراغ نہ ملا۔

"وہ ضرور باغ کی دیوار پھاند کر چلا گیا ہوگا"۔ دادا جی نے خوش ہو کر کہا "اور اب تک بہت دور جا چکا ہوگا"۔

اجگر دوبارہ دکھائی نہیں دیا۔ اور جب آنٹی روبی اپنے بہت سارے ساز و سامان کے ساتھ ـــ جو ان کے لمبے عرصے تک قیام کی علامت تھا ـــــ تشریف لائیں تو یہ صرف توتا تھا جس نے لمبی کان پھاڑ سیٹیوں سے انھیں خوش آمدید کہا



چند دنوں تک دادا جی اور میں قدرے فکرمند رہے کہ کہیں اجگر اچانک نمودار نہ ہو جائے لیکن جب وہ نہیں دکھائی دیا تو ہم یہ سوچ کر خوش ہوئے کہ وہ کہیں نکل گیا ہے۔ آنٹی روبی کا واسطہ صرف بندر ٹوٹو سے پڑا جو انھیں منھ چڑھایا کرتا تھا اور کبھی کبھی میں بھی ایسا کرتا تھا بشرطیکہ ان کا رُخ دوسری طرف ہو۔ آنٹی روبی کو شکایت تھی کہ جب وہ کمرے میں ہوتی ہیں تو توتا پوپئے زور زور سے چیختا ہے لیکن بہرحال وہ اس سے مانوس ہو گئیں اور جانتی تھیں کہ اگر انھیں ہمارے ساتھ رہنا ہے تو اس کا عادی ہونا پڑے گا۔

اور تب ایک دن شام کے وقت باغ کی طرف سے آنے والی چیخ سن کر ہم سناٹے میں آ گئے۔

دوسرے ہی لمحے آنٹی روبی برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگتی بھاگی دوڑی آگئیں "امرود کے پیڑ پر ـــ میں امرود ڈھونڈ رہی تھی تب میں نے دیکھا، وہ مجھے گھور رہا تھا، ایسا لگتا تھا مجھے زندہ ہی کھا جائے گا۔"

"کیا ہوا؟" دادی ماں نے آنٹی پر گلاب کا پانی چھڑکتے ہوئے کہا" ذرا دم لو اور بتاؤ تم نے کیا دیکھا؟"

"وہ سانپ تھا!" آنٹی روبی نے سسکتے ہوئے کہا "امرود کے پیڑ پر ایک بہت بڑا اجگر تھا۔ اس کی آنکھیں بھیانک تھیں اور اس نے مجھے بری طرح گھورا۔"

"وہ تمھیں امرود توڑنے کے لیے اکسا رہا ہوگا۔" دادا جی نے کہا اور اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے اپنا منہ پھیر لیا۔ انھوں نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور میں جلدی جلدی باغ کی طرف بھاگا۔ لیکن جب میں امرود کے درخت تک پہنچا تو اجگر (اگر وہ اجگر تھا) جا چکا تھا۔

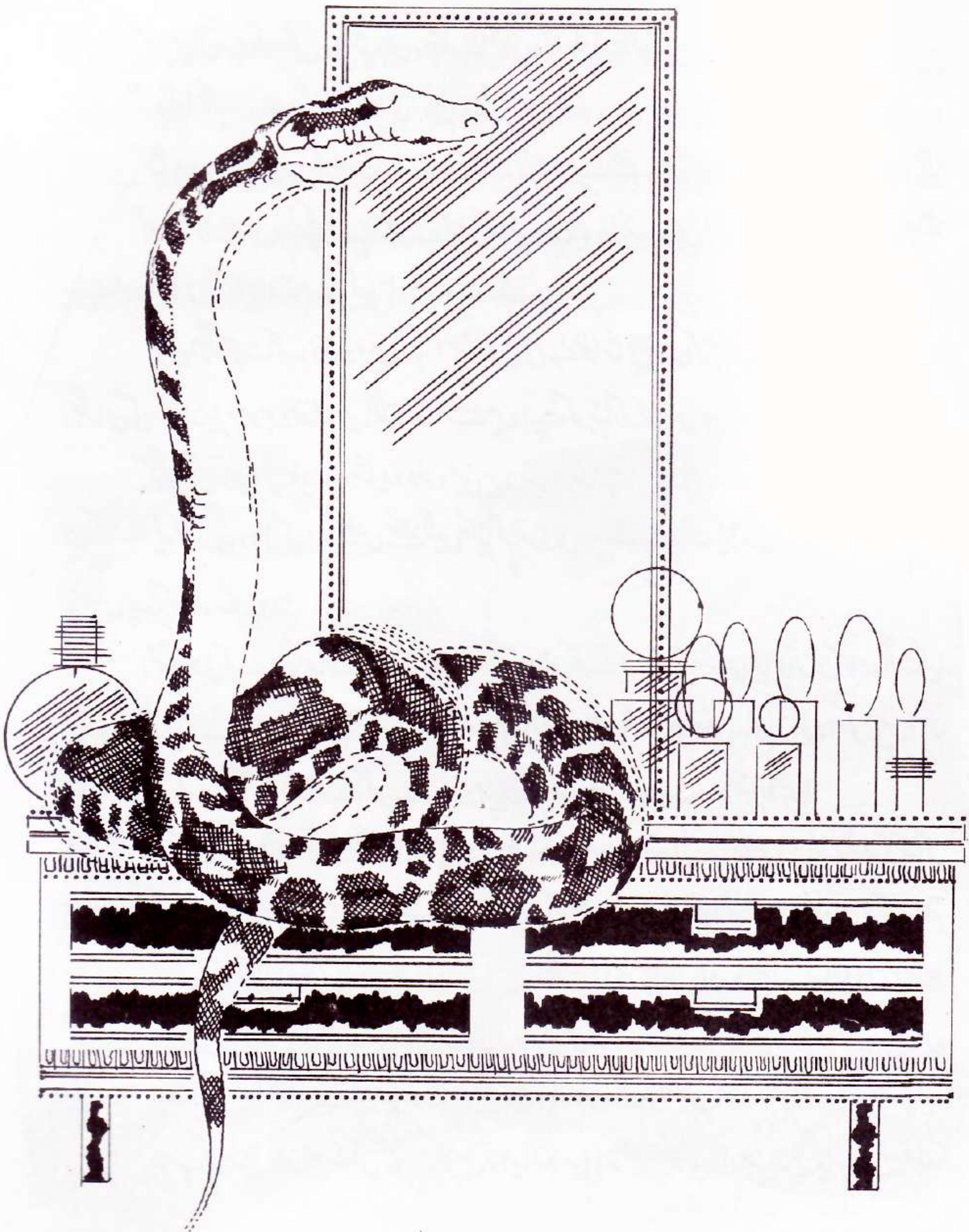
"آنٹی روبی نے یقیناً اسے ڈرا دیا ہوگا۔" میں نے دادا جی سے کہا۔

"مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔" انھوں نے کہا "لیکن وہ واپس آئے گا۔ مجھے لگتا ہے وہ تمھاری آنٹی پر لٹو ہو گیا ہے۔"

ان کا کہنا ٹھیک تھا اجگر نے مختصر مگر مسلسل وقفے وقفے سے اپنے درشن دینے شروع کر دیئے۔ وہ زیادہ تر ایسی جگہوں پر نظر آتا جہاں اس کی موجودگی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت میں نے اسے سنگار میز پر کنڈلی مارے پایا۔ وہ آئینہ میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔ میں دادا جی کو ڈھونڈنے بھاگا لیکن جب تک ہم واپس ہوئے اجگر وہاں سے کھسک چکا تھا۔

وہ پھر باغ میں دیکھا گیا اور ایک دن میں نے اسے لوہے کے زینے سے چھت پر چڑھتے دیکھا۔ میں اس کے پیچھے بھاگا مگر وہ جلد ہی زینے پر چڑھ گیا۔ اس زینے سے کئی بار میں بھی چڑھ کر چھت پر پہنچا تھا۔ جب میں چھت پر پہنچا تو وہ ڈرین پائپ میں گھس کر غائب ہو چکا تھا البتہ اس کی دم کا سرا کچھ دیر تک نظر آتا رہا پھر وہ بھی غائب ہو گیا۔



"میرا خیال ہے کہ وہ ڈرین پائپ میں رہتا ہے،" میں نے دادا سے کہا۔

"وہ کھاتا کہاں سے ہوگا؟" دادا جی نے پوچھا۔

"شاید وہ ان چوہوں پر گزارہ کر رہا ہے جو ہمارے لیے مصیبت تھے۔ یاد کیجیے وہ ڈرین پائپ میں بھی رہتے تھے۔"

"ہوں" دادی ماں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "سانپ کے بھی فائدے ہیں! ٹھیک ہے جب تک وہ چھت پر ہے اور چوزوں کے بجائے چوہے کھاتا ہے، اسے رہنے دو..."

لیکن اجگر چھت تک محدود نہیں رہا۔ آنٹی روبی کی بے تحاشا چیخ سن کر ہم ان کے کمرے میں گھسے۔ اجگر ان کی سنگار میز پر موجود تھا۔ ایسا لگتا تھا آئینے میں اپنے کو نہار کر خوش ہو رہا ہے۔

"لوگوں کی توجہ اپنی طرف پاکر شاید وہ خود بینی میں مبتلا ہو گیا ہے۔" دادا جی نے کہا اور اجگر کو اٹھا لیا۔ ایسا کرتے دیکھ کر آنٹی روبی کی مزید چیخیں نکلنے لگیں "کیا تم تھوڑی دیر کے لیے اسے پکڑو گی روبی؟ ایسا لگتا ہے یہ تمھیں پسند کرنے لگا ہے۔"

انٹی روبی کمرے سے بھاگ کر برآمدے میں چلی گئی جہاں توتے پوپٹے نے سیٹیاں بجا بجا کر ان کا سواگت کیا۔ بیچاری آنٹی روبی نے اپنے قیام کی مدّت میں ایک ہفتہ کمی کی اور واپس لکھنؤ چلی گئیں۔ وہاں وہ اسکول میں استانی ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ وہ ہمارے گھر سے زیادہ اپنے اسکول میں سلامت اور محفوظ ہیں۔

یہ دیکھ کر کہ دادا جی اجگر کو بڑی آسانی اور اعتماد کے ساتھ سنبھال رہے ہیں، میں نے فیصلہ کیا کہ میں بھی ایسا کروں۔ اس لیے دوسری بار جب میں نے سانپ کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تو میں بھی اس کے ساتھ چڑھنے لگا۔ اس نے سرکنا بند کر دیا تو میں بھی رک گیا۔ میں نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور وہ میرے بازوؤں پر چڑھ گیا اور پھر کندھوں پر آ گیا چونکہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری گردن کے گرد کُنڈلی مارے اس لیے میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور باغ میں لے آیا۔ اس نے بُرا نہیں مانا۔

سانپ کچھ ٹھنڈا اور پھسلواں لگا۔ پہلے پہل تو ایسا لگا میرا ہاتھ کسی پھپھنسی دار چیز پر پڑ گیا ہے لیکن جلد

ہی میں اس سے مانوس ہو گیا اور جس طرح سے میں نے اس کو پکڑا اور سنبھال کر لے گیا اسے اجگر نے بھی پسند کیا ہوگا، اس لیے کہ جب میں نے اسے نیچے اتارا وہ میری ٹانگ پر چڑھنے لگا۔ لیکن چونکہ مجھے اور بھی کئی کام تھے اس لیے میں نے اسے ایک خالی بڑی ٹوکری میں جو باغ میں پڑی تھی ڈال دیا۔ اس نے مجھے دھندلی نظروں اور بے تاثر آنکھوں سے دیکھا۔ یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا؟ اگر واقعی وہ سوچ رہا تھا۔

میں سائیکل چلانے چلا گیا اور جب واپس آیا تو دیکھا کہ دادی ماں امرود توڑ توڑ کر ٹوکری میں ڈال رہی

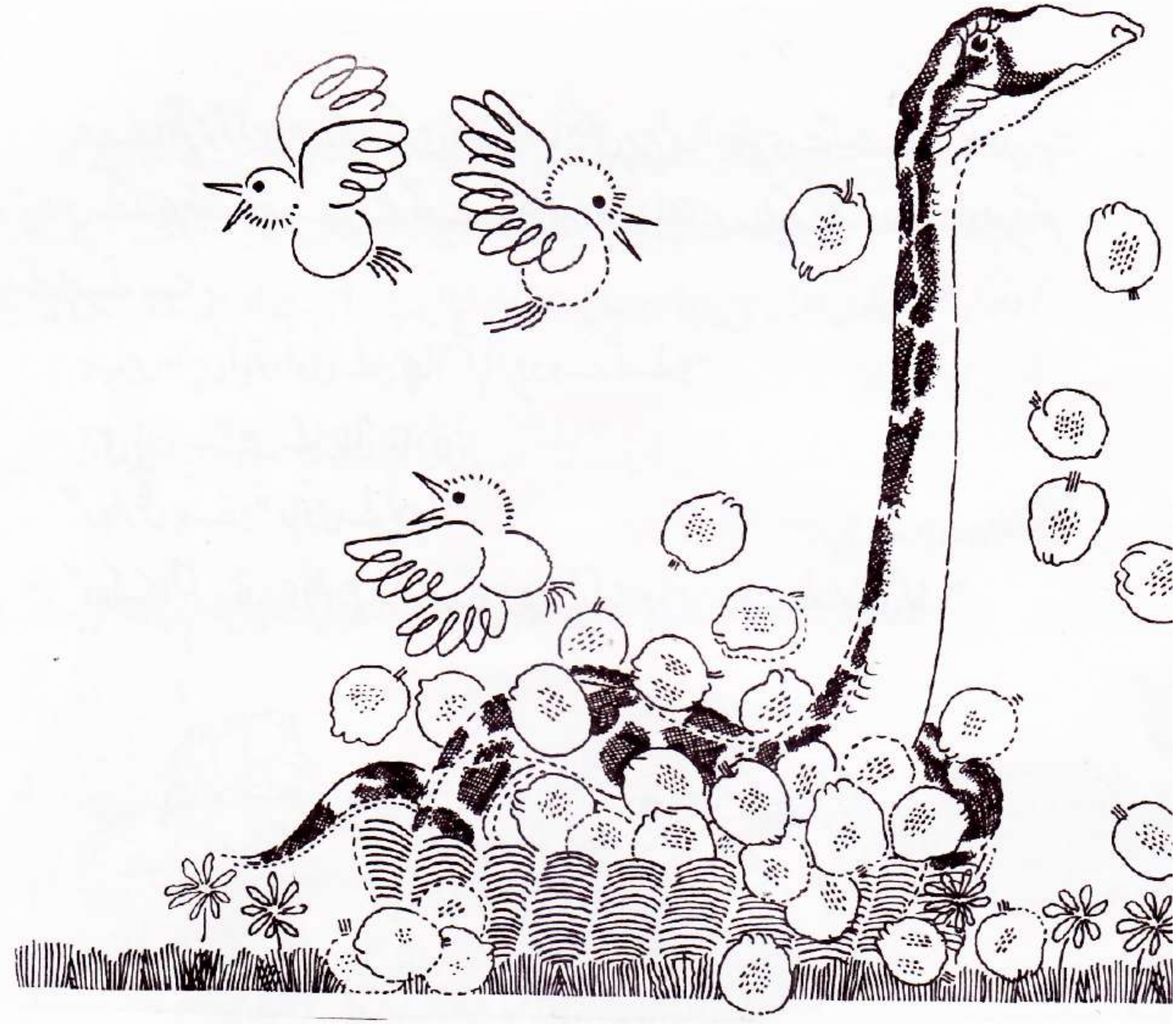




تھیں۔ اجگر کہیں اور چلا گیا ہوگا۔

جب ٹوکری پوری طرح بھر گئی تو دادی ماں نے کہا: "اسے میجر ملک کے گھر لے جاؤ۔ آج ان کا جنم دن ہے اور میں انھیں حیرت انگیز تحفہ دینا چاہتی ہوں۔"

میں نے ٹوکری کو اپنی سائیکل کی کیریر پر رکھا اور میجر ملک کے گھر — جو سڑک کے آخر میں تھا — کی طرف چل پڑا۔ میجر ملک اپنے گھر کی سیڑھیوں پر مجھے مل گئے۔



”تمُھاری اچھی دادی ماں نے آج کیا بھجوایا ہے جوان ؟“ انھوں نے پوچھا۔

”آپ کے جنم دن پر حیرت انگیز تحفہ، جناب عالی!“ میں نے جواب دیا اور ٹوکری ان کے سامنے رکھ دی۔

اجگر نے، جو ڈھیر سارے امرودوں کے نیچے دب گیا تھا اسی وقت جاگنا پسند کیا اور اُٹھ کر کئی فٹ اونچا کھڑا ہو گیا۔ امرود اِدھر اُدھر لڑھک گئے۔ میجر صاحب نے کوئی سخت بات کہی اور غصّے میں بھر کر گھر کے اندر چلے گئے۔

میں نے اجگر کو ٹوکری میں رکھا۔ ٹوکری اٹھائی، سائیکل پر چڑھا اور تیزی سے گیٹ سے بھاگا اور یہ بہت اچھا کیا اس لیے کہ میجر ملک دوسرے ہی لمحے گھر سے دونالی بندوق ہاتھ میں لے کر نکلے اور اسے اِدھر اُدھر لہراتے پھرتے رہے۔

جب میں واپس آیا تو دادی نے پوچھا: "تم امرود دے آئے؟"

"جی ہاں ——" میں نے سچائی بتادی۔

"وہ خوش ہوئے؟" دادی نے پوچھا۔

"وہ آپ کا شکریہ تحریری طور پر ادا کریں گے۔" میں نے کہا اور میجر صاحب نے ایسا ہی کیا۔



"پیارے سے حیرت انگیز تحفے کے لیے شکریہ۔ یقیناً آپ کو معلوم نہ ہوگا کہ میرے ڈاکٹر نے مجھے غیر ضروری طور پر اور اچانک خوش ہونے سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ میرا دورانِ خون ذرا بڑھ گیا ہے، آپ کے پوتے کو دیکھ کر اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بہر حال اصل چیز خیال ہے جو اہم ہے اور میں نے یہ سب مذاق کے طور پر ہی لیا ہے۔"

"بڑا عجیب خط ہے۔" دادی ماں نے کہا "وہ بیمار تھا بچارہ۔ کیا امرود خون کے دباؤ کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں؟"

"امرود تو خون کے دباؤ کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں۔" دادا نے کہا۔ انھیں معلوم تھا کہ اصل معاملہ کیا تھا





"لیکن اگر امرود دوسری چیزوں کے ساتھ دیا جائے تو کچھ پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔"

جب ہم سب بہ شمول دادی اماں اجگر کی گھر اور باغ میں موجودگی کے عادی ہو گئے تو یہ طے ہوا کہ چند مہینوں کے لیے لکھنؤ چلا جائے۔

لکھنؤ بڑا شہر ہے۔ دیہرا سے تین سو میل دور۔ آنٹی روبی وہاں اسکول میں استانی تھیں۔ ہم ان کے ساتھ ٹھہرنے والے تھے۔ اس لیے یقیناً ہم اپنے ساتھ کوئی اجگر یا بندر جیسی عجیب الخلقت چیز نہیں لے جا سکتے تھے۔

"پوپٹے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پوپٹے کوئی جانور نہیں ہے۔ وہ ہم میں سے ہی ہے۔ وہ بھی چلے گا۔" اور اس طرح دیہرا ریلوے اسٹیشن پر ہمارے توتے کی سیٹیوں اور چیخوں سے خاصی افراتفری مچی۔ اس لیے کہ توتا نہ صرف گارڈ کی سیٹیوں کی نقل



کر رہا تھا بلکہ انجن کی سیٹیوں کی بھی نقل اُتار رہا تھا۔ نتیجتاً یہ سوچ کر کہ ٹرین چلنے والی ہے لوگ جلدی جلدی اپنے ڈبّے کی طرف بھاگے۔ بعد میں پتہ چلا کہ گارڈ نے تو سیٹی بجائی ہی نہیں تھی تب وہ پھر اترے۔ پوپٹے نے پھر سیٹی بجائی پھر بھگدڑ مچی۔ ایسا کئی بار ہوا یہاں تک کہ جب گارڈ نے سیٹی بجائی تو لوگوں نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی اور اس طرح کئی مسافر گاڑی میں چڑھنے سے رہ گئے۔

جب ٹرین اسٹیشن سے آگے بڑھی اور اس کی رفتار تیز ہوئی تو داداجی نے دادی ماں سے کہا:

"تم اس توتے کو چپ نہیں کرا سکتیں؟"

"میں اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کروں گی! آخر ہم نے اس کا بھی ٹکٹ لیا ہے اور وہ بھی دوسروں کی طرح سفر کا لطف لینے کا اختیار رکھتا ہے۔" دادی نے کہا۔

جہاں کہیں ہم اسٹیشن پر رکے اور خوانچہ والوں یا کسی اور نے کھڑکی میں سر گھسیڑا پوپٹے نے اعتراض کیا۔

سفر ختم ہونے تک اس نے دو انگلیاں اور ایک ناک نوچ لی اور ایک ٹکٹ انسپکٹر کا کان کتر لیا تھا۔

یہ رات کا سفر تھا۔ دادی ماں نے کمبل اوڑھ لیا اور برتھ پر لیٹ گئیں۔ "یہ بڑا تھکانے والا دن تھا۔ میرا خیال ہے میں تھوڑا سو لوں۔" انھوں نے کہا۔

"کچھ کھانا نہیں ہے؟" میں نے پوچھا

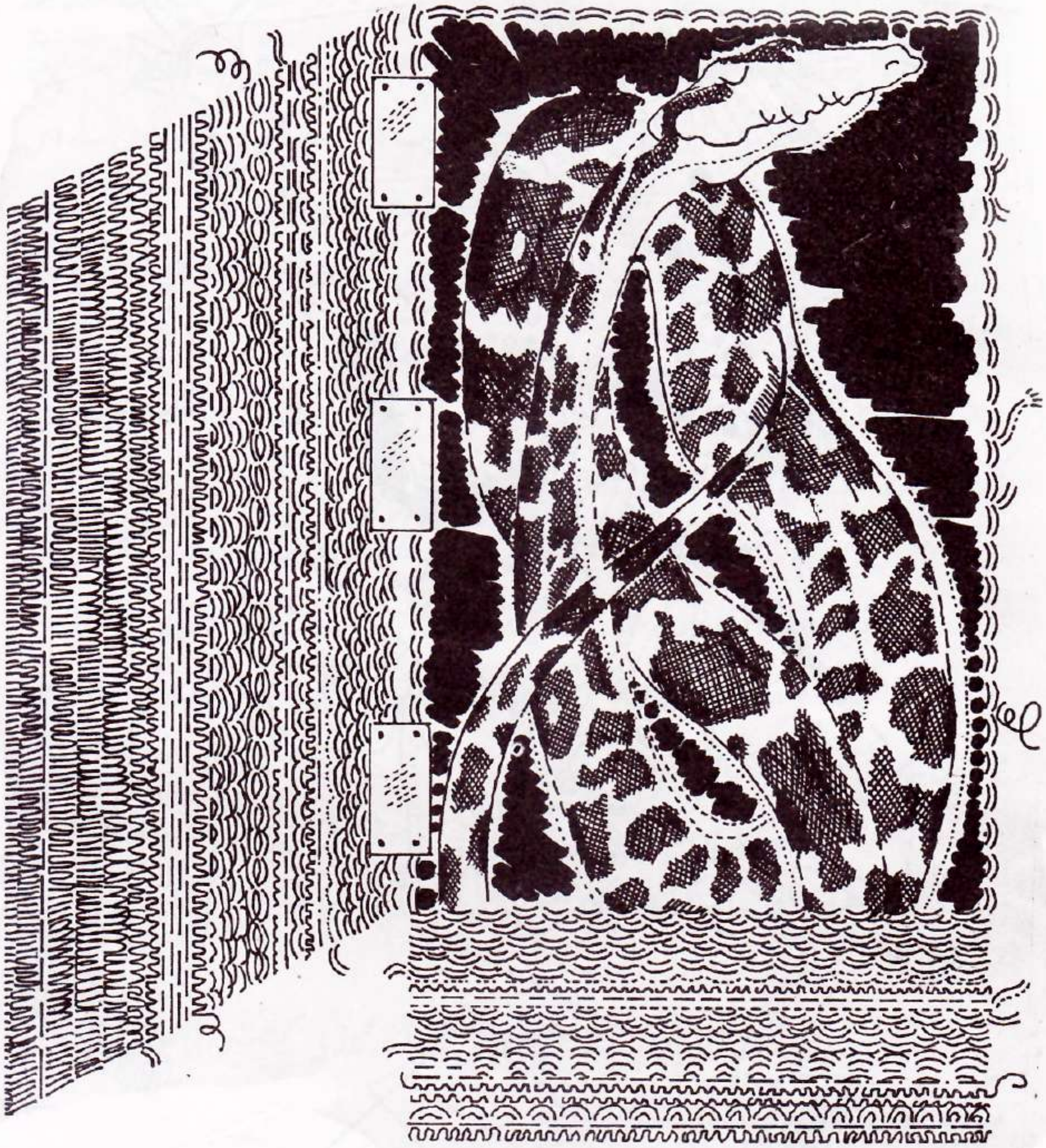
"مجھے بھوک نہیں ہے۔ گھر سے نکلنے سے پہلے میں نے تھوڑا کھا لیا تھا۔ تم دونوں توشہ دان سے خود نکال لو۔"

دادی ماں اونگھنے لگیں اور پوپٹے بھی جھپکیاں لینے لگا۔ گاڑی کے پہیّوں کی چھک چھک اور بھاپ انجن کی زوں زوں لوریاں سنا رہی تھیں۔

"مجھے تو بھوک لگی ہے۔" میں نے کہا: "دادی ماں نے ہمارے لیے کیا بنایا ہے؟"

"خستہ پراٹھے، آملیٹ اور ایک تندوری مرغی۔ یہ سب توشہ دان میں رکھا ہے، جو برتھ کے نیچے ہے۔"





میں نے سفری پٹارہ کھینچ کر برتھ سے نکالا اور اٹھا کر سیٹ پر رکھ لیا تسمہ ڈھیلا بندھا تھا جیسے ہی بندھن کھولا ڈھکن اچانک خود بخود اٹھ گیا اور میں نے حیرت سے دیکھا۔ پٹارے میں اجگر تھا جو بڑے صبر و سکون سے کُنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس ڈبّے میں کھانے کی چیزوں کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

"اس میں اجگر ہے اور اس نے ہمارا سارا کھانا چٹ کر لیا ہے"، میں نے کہا۔

"بالکل بکواس، اجگر پراٹھے اور آملیٹ نہیں کھاتے"۔ دادا جی نے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔ "وہ زندہ خوراک پسند کرتے ہیں۔ کیوں یہ پرانا پٹارہ نہیں ہے جو کباڑ خانے میں رکھا تھا، وہ توشہ دان،

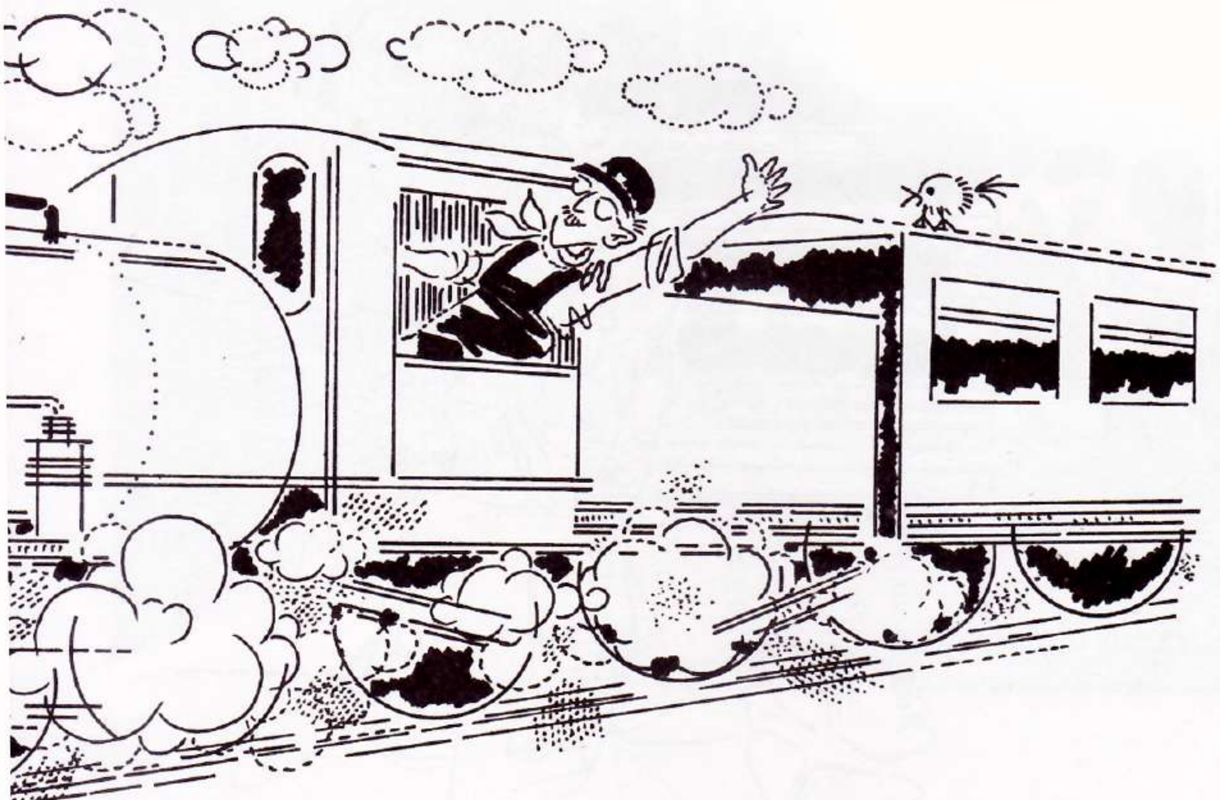


جس میں ہمارا کھانا تھا یقیناً گھر ہی پر چھوٹ گیا ہے۔ ارے میجر ملک نے تو ہمیں گاڑی میں سوار کرایا تھا۔ میرا خیال ہے انھوں نے تمھاری شرارت کا بدلہ اُتار دیا ہے!"

دادا نے پٹارے کا ڈھکن بند کیا اور اسے برتھ کے نیچے ڈھکیل دیا۔ "تمھاری دادی نہ دیکھ لیں،" انھوں نے کہا۔ "وہ سوچیں گی کہ ہم اسے اپنی مرضی سے ساتھ لائے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر مجھے بھوک لگی ہے۔" میں نے فریاد کی۔

"اگلے اسٹیشن تک رُکو وہاں ہم کچھ پکوڑے خریدیں گے۔ جب تک پوپٹے کی ہری مرچوں سے شوق کرو۔"



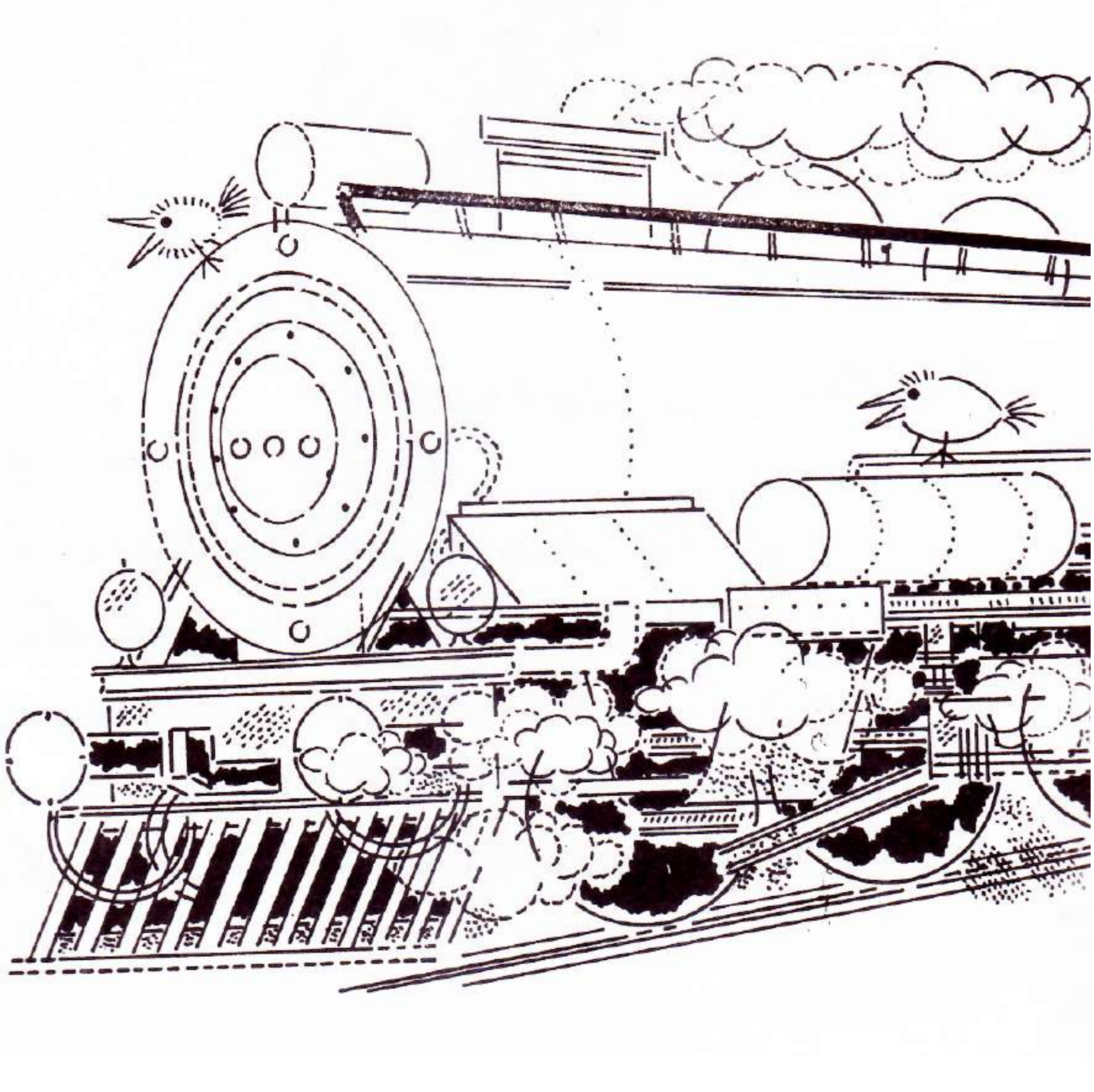
”جی شکریہ“ میں نے کہا ”داداجی آپ ہی ان سے شوق فرمایئے“۔ اور داداجی نے ‘جو سادہ مرچ کھا سکتے تھے‘ دو چار مرچ لے کر اپنے منھ میں رکھ لیں اور قناعت کے ساتھ چبانے لگے۔

آدھی رات گئے برآمدے میں ہلچل مچی۔ پوپیٹے نے احتجاجاً شور مچانا شروع کر دیا۔ دادا اور میں یہ دیکھنے کے لیے اٹھے کہ کیا گڑبڑ ہے۔

دفعتاً ”سانپ ـــ سانپ“ کا شور مچا۔

میں نے برتھ کے نیچے دیکھا پٹارہ کھلا تھا۔

”اجگر نکل گیا“ میں نے کہا اور دادا کمپارٹمنٹ سے تیزی کے ساتھ نکلے۔ انھوں نے محض پاجامہ





پہن رکھا تھا۔ میں ان کے ساتھ ساتھ تھا۔

تقریباً درجن بھر مسافر ہاتھ منہ دھونے والے کمرے کے دروازے پر ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"کیا گڑبڑ ہے؟" دادا نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"ہم ٹوائلٹ کے اندر نہیں جا سکتے۔" کسی نے کہا "اس میں ایک بڑا بھیانک سانپ ہے۔"

"مجھے دیکھنے دیجیے۔" دادا نے کہا "مجھے سانپوں کے بارے میں اچھی واقفیت ہے۔"

مسافروں نے راستہ دے دیا۔ دادا اور میں ٹوائلٹ میں گھسے لیکن وہاں اجگر کا پتہ نہیں تھا۔

"وہ ضرور روشن دان سے باہر نکل گیا ہوگا۔" دادا بولے "اور اب وہ کسی اور کمپارٹمنٹ میں ہوگا۔"

ٹوائلٹ سے نکلتے ہوئے انھوں نے مسافروں کی بھیڑ سے کہا: "وہ چلا گیا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔



بس بے ضرر سا اجگر کا بچّہ تھا۔"

جب ہم اپنے کمپارٹمنٹ میں پہنچے۔ دادی اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"میں جانتی تھی کہ میری عدم موجودگی میں تم ضرور کوئی احمقانہ حرکت کرو گے"، وہ بھنائیں "تم نے کہا تھا کہ تم جانور گھر پر ہی چھوڑ دو گے مگر یہ بسارے کے سارے وقت ہمارے ساتھ گاڑی میں تھا۔"

داداجی نے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس معاملے میں ہمارا ہاتھ نہیں ہے اور یہ کہ اجگر خود بخود پٹارہ میں ناجائز طور پر گھس آیا ہے یا میجر ملکس نے اسے اسمگل کر دیا ہوگا۔" مگر دادی ماں مطمئن نہیں ہوئیں۔

"بہرحال وہ گیا" دادا نے کہا "وہ یقیناً ٹوائلٹ کی کھڑکی سے گر گیا ہوگا۔ ہم لوگ دیہرا سے سو میل سے زیادہ آگے آچکے ہیں لہٰذا اب تم اسے دوبارہ نہیں دیکھو گی۔"



جب وہ بول رہے تھے تو یکایک گاڑی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔

"یہاں تو کوئی اسٹیشن نہیں ہے"، داداجی نے کھڑکی سے اپنا سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔

ایک آدمی دوڑتا ہوا ہاتھ ہلاتا چیختا ہوا بھاگ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ انجن میں کوئلہ جھونکنے والا ہے"، دادا نے کہا: "بہتر ہوگا کہ میں جاکر معلوم کروں کہ کیا گڑبڑ ہے"۔

"میں بھی آتا ہوں"، میں نے کہا اور ہم ساتھ ساتھ رکی ہوئی گاڑی کی لمبائی میں دوڑتے ہوئے

انجن تک پہنچ گئے۔

"کیا بات ہے؟" دادا نے پوچھا "کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟ مجھے انجن کے بارے میں پوری معلومات ہے۔"

لیکن انجن ڈرائیور گم صم تھا اور اس کے لیے اسے قصوروار بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ اجگر نے اس کے پاؤں لپیٹ رکھے تھے جس سے ڈرائیور حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔



"اسے ہم پر چھوڑ دیئے،" کہتے ہوئے دادا نے اجگر کو ڈرائیور سے چھڑا کر میرے بازوؤں پر پٹک دیا۔ انجن ڈرائیور فرش پر ڈو بتا چلا گیا۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ کانپ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے بہتر ہے کہ میں انجن چلاؤں،" دادا نے کہا لکھنؤ پہنچنے میں تاخیر ٹھیک نہیں تمھاری آنٹی ہماری منتظر ہوں گی،" اور قبل اس کے کہ حیرت میں ڈوبا ڈرائیور احتجاج کرتا دادا نے بریک چھوڑ دیئے اور انجن چلا دیا۔

"ہم نے کوئلہ جھونکنے والے کو پیچھے چھوڑ دیا ہے،" میں نے کہا "فکر مت کرو۔ تم کوئلہ جھونکو۔" میں خوش تھا کہ انجن چلانے میں دادا کی مدد کر رہا تھا۔ میں نے اجگر کو ڈرائیور کی گود میں ڈالا اور کوئلہ جھونکنے لگا۔

ٹرین نے رفتار پکڑی اور جلد ہی تاریکیوں اور آسمان پر بکھری روشنیوں سے گزرتے ہوئے اور تقریباً مسلسل سیٹیاں بجاتے ہوئے ہماری گاڑی بڑھتی چلی۔

"تم بہت تیز چلا رہے ہو،" ڈرائیور نے کہا۔

"جو وقت برباد ہوا ہے اسے پورا کر رہا ہوں،" دادا نے کہا۔

"کوئلہ جھونکنے والا کیوں بھاگ گیا؟" انھوں نے پوچھا۔

"وہ گارڈ کو بلانے گیا تھا۔ تم نے ان دونوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔"

دوسرے دن صبح سویرے گاڑی بہ حفاظت لکھنؤ پہنچی۔ وضاحت اور جواب دہی کی تیاریاں تھیں، لیکن چونکہ لکھنؤ کا اسٹیشن ماسٹر دادا کا پرانا دوست تھا اس لیے سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ ہم ۲۰ منٹ پہلے پہنچ گئے تھے اور جب دادا اسٹیشن ماسٹر اور انجن ڈرائیور کے ساتھ چائے پینے چلے گئے تو میں نے اجگر کو پٹارے میں رکھ دیا اور دادی کے ساتھ سامان سنبھالنے لگ گیا۔ پوپٹے نے دادی کے کندھوں پر اپنے پر پھیلا دیئے اور بڑی بے اعتنائی کے ساتھ کھچا کھچ بھرے پلیٹ فارم کو کن

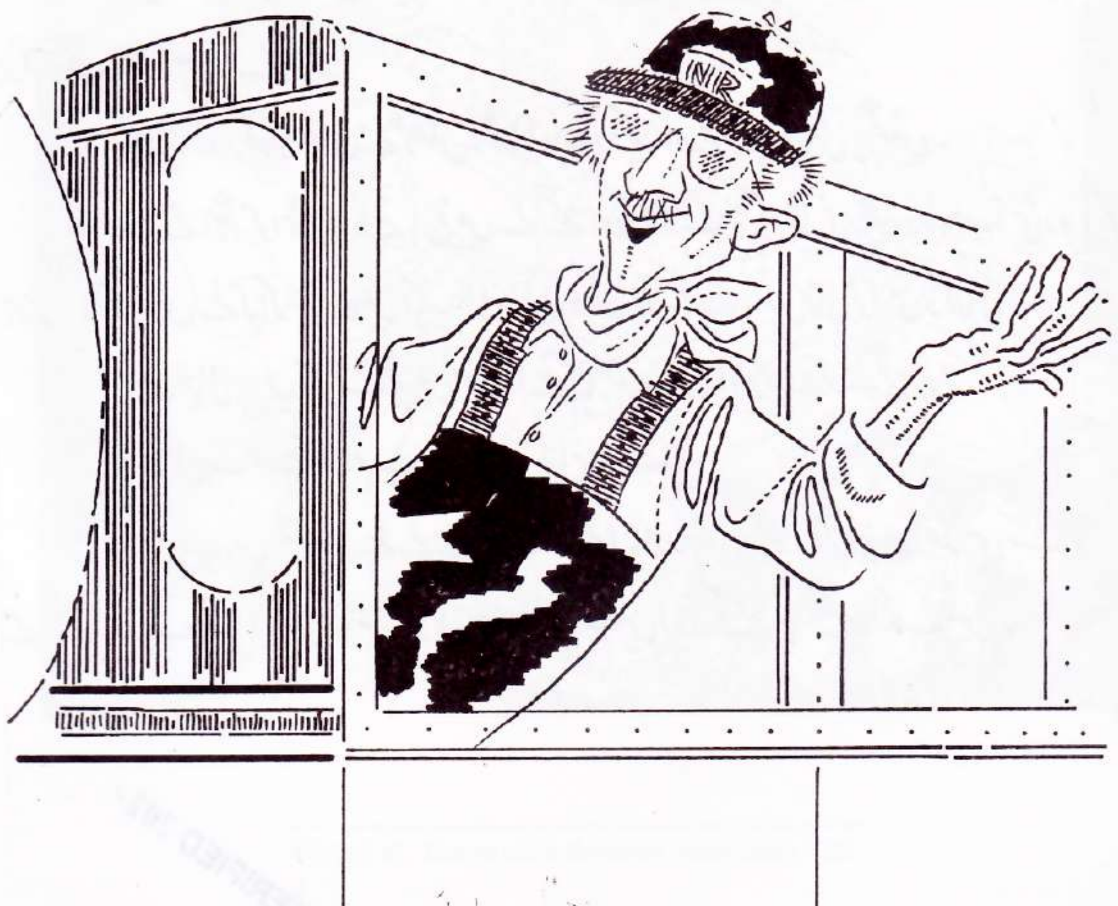
انکھیوں سے دیکھنے لگا۔ اس نے ہی سب سے پہلے آنٹی روبی کو پلیٹ فارم کی سیڑھیوں کے نیچے دیکھا اور خبردار کرنے کی سیٹی بجائے۔

آنٹی روبی اچھے کھانے کی رسیا تھیں۔ انھوں نے فوراً ہی توشہ دان کو تاکا اور اٹھا لیا۔ "یہ بہت بھاری ہے" انھوں نے کہا۔

"اس میں ہمارے لیے ہی سامان ہوگا۔ میں اسے ٹیکسی تک لے جاتی ہوں"

"ہم نے شاید ہی کچھ کھایا ہوگا" میں نے کہا۔

"تمھاری دادی کے ہاتھ کا کھانا کھائے زمانہ ہوا" اس کے بعد آنٹی روبی سے پٹارہ الگ نہیں ہوا۔ اس کی طرف جب میں دیکھ رہا تھا تو ایسا لگا کہ پٹارے کا ڈھکّن ہل رہا ہے۔ لیکن اس بار میں نے اس



کا ڈھکن بڑی مضبوطی سے باندھا تھا۔ اس لیے اس کا اندیشہ نہ تھا کہ اچانک ڈھکن اچھل پڑے گا۔

اسٹیشن کے باہر دادا ہم سے مل گئے اور ہم لوگ ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ آنٹی روبی نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت دی اور ہم اپنے پیچھے گرد و غبار کا بادل چھوڑ کر آگے بڑھے۔

"میں یہ دیکھنے کے لیے مری جا رہی ہوں کہ اس پٹارہ میں کیا ہے،" آنٹی روبی نے کہا "کیوں نہ میں اس کے اندر جھانک کر دیکھ لوں؟"

دادا نے کہا "ابھی نہیں۔ پہلے ہم تمھارا تیار کیا ہوا ناشتہ کریں گے جو ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

پوپٹے نے فخر سے دادی کے کندھے پر پر پھیلا دیئے اور پٹارہ پر شک و شبہ کی نظریں ڈالیں۔

جب ہم آنٹی روبی کے گھر پہنچے تو کھانے کی میز پر ناشتہ ہمارا منتظر تھا۔

"یہ زیادہ نہیں ہے" آنٹی روبی نے کہا "مگر ہم اس میں اضافہ کرنے کے لیے وہ سامان ملا لیں گے جو تم لوگ پٹارہ میں لائے ہو۔"

میز پر پٹارہ رکھ کر انھوں نے ڈھکن اٹھایا، اندر دیکھا اور فوراً بے ہوش ہو گئیں۔

دادا نے اجگر کو اٹھایا۔ اسے باغ میں لے گئے اور انار کے پیڑ کی شاخ پر چھوڑ دیا۔ جب آنٹی روبی کو ہوش آیا تو انھوں نے کہا کہ پٹارہ میں ایک بڑا سانپ دیکھا تھا۔ ہم نے انھیں خالی ٹوکری دکھائی۔

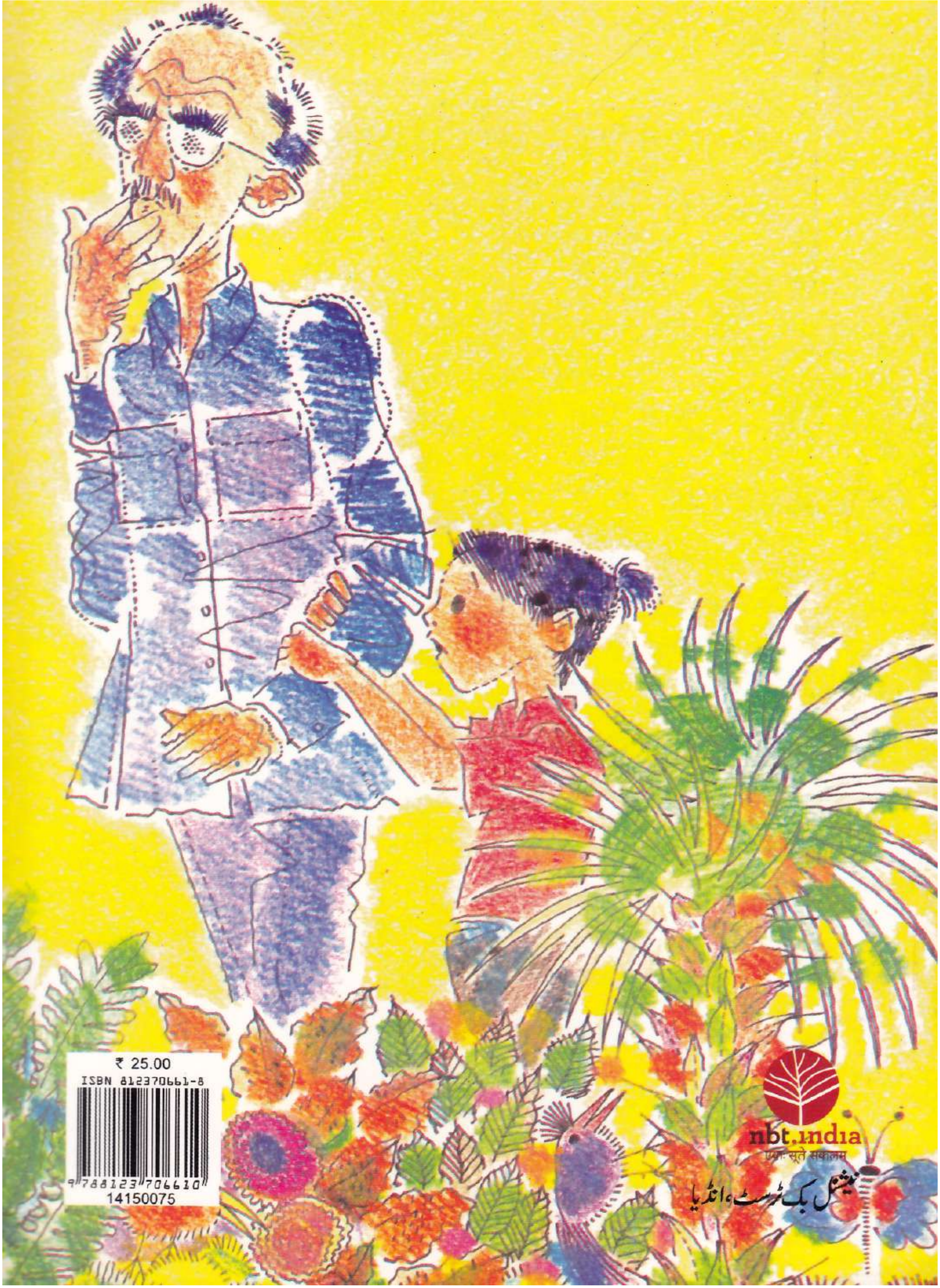
"تمھیں خیالی چیزیں نظر آنے لگی ہیں،" دادا نے کہا "تم بہت زیادہ محنت کرنے لگی ہو۔"

"پڑھانا بہت محنت کا کام ہے۔" میں نے متانت سے کہا۔

دادی چپ رہیں۔ لیکن پوپٹے نے زور زور سے شور مچانا اور سیٹیانا شروع کر دیا اور جلد ہی سب لوگ کے ساتھ قدرے گھبرائی ہوئی آنٹی روبی بھی شامل ہو گئیں اور قہقہے پر قہقہے لگانے لگیں۔



Printed at : Compudata Services, New Delhi – 20



₹ 25.00
ISBN 812370661-8
9788123706610
14150075

nbt.india
एकः सूते सकलम्

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا